© rasailojaraid.com

# اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر

## (۴)

## روزہ

**ضبطِ نفس** اس تربیت کے ضابطہ میں کسنے کے لیے صرف دو خواہشوں کو منتخب کیا گیا ہے، یعنی شہوتِ شکم اور شہوتِ فرج۔ اور ان کے ساتھ ایک تیسری خواہش ــــ آرام لینے کی خواہش ــــ بھی زد میں آگئی ہے کیونکہ تراویح کے قیام اور سحری کے لیے آخر شب میں مزے کی نیند توڑ کر اُٹھنے کی وجہ سے اس پر بھی اچھی خاصی ضرب پڑتی ہے۔

حیوانی زندگی کے مطالبات میں یہ تین مطالبے اصل و بنیاد کا حکم رکھتے ہیں۔ بقائے نفس کے لیے غذا کا مطالبہ۔ بقائے نوع کے لیے صنفِ مقابل سے اتصال کا مطالبہ۔ اپنی کھوئی ہوئی طاقتوں کو بحال کرنے کے لیے آرام کا مطالبہ۔ انہی تین ضرورتوں کا تقاضا تمام حیوانی خواہشات کا مبداء، اور تمام حیوانی اعمال کا محرک ہے، اور یہ تقاضا اتنا طاقتور ہے کہ حیوان جو کچھ کرتا ہے اسی کے زور سے مجبور ہو کر کرتا ہے۔

انسان کو خدمتگار اور آلۂ کار کی حیثیت سے جو بہترین ساخت کا حیوان دیا گیا ہے، اُس کے بنیادی مطالبات بھی یہی تین ہیں۔ اور چونکہ وہ تمام حیوانات سے زیادہ اونچی قسم کا حیوان ہے اس لیے اس کے مطالبات اُن سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ صرف زندہ رہنے کے لیے غذا ہی نہیں مانگتا بلکہ اچھی غذا مانگتا ہے، طرح طرح کی مزے دار غذائیں مانگتا ہے، غذائی مواد کی نئی نئی ترکیبوں کا مطالبہ کرتا ہے، اور اس کے اس مطالبہ میں سے انہی شاخیں نکلتی چلی جاتی ہیں کہ اسے پورا کرنے کے لیے ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


دنیا کی دنیا درکار ہوتی ہے۔ وہ صرف بقائے نوع کے لیے صنف مقابل سے اتصال ہی کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ اس مطالبہ میں ہزار نزاکتیں اور ہزار باریکیاں پیدا کرتا ہے۔ تنوع چاہتا ہے، حسن چاہتا ہے، آرائش کے بے شمار سامان چاہتا ہے، طرب انگیز سماں اور لذت انگیز ماحول چاہتا ہے، غرض اس سلسلہ میں بھی اس کے مطالبات اتنی شاخیں نکالتے ہیں کہ کہیں جا کر ان کا سلسلہ رکتا ہی نہیں۔ اسی طرح اس کی آرام طلبی بھی عام حیوانات کے مثل صرف کھوئی ہوئی قوتوں کو بحال کرنے کی حد تک نہیں رہتی، بلکہ وہ بھی بے شمار شاخیں نکالتی ہے جن کا سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوتا۔ وہ صرف کھوئی ہوئی طاقتوں کو بحال ہی نہیں کرنا چاہتا بلکہ چاہتا ہے کہ حتی الامکان قوتیں کھونے کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ مشقت سے جی چراتا ہے، محنت کے بغیر کام نکالنے کی کوشش کرتا ہے، طرح طرح کی تدبیریں اس غرض کے لیے نکالتا ہے کہ بلا محنت یا کم سے کم محنت سے مقصد برآری ہو جائے، اور خصوصاً ایسے مقاصد کے لیے محنت کرنے میں تو اس کی جان پر بنتی ہے جو اس کے حیوانی مقاصد سے بالاتر ہوں۔

اس طرح ان تین ابتدائی خواہشوں سے خواہشات کا ایک لامتناہی جال بن جاتا ہے جو انسان کی پوری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے لینا چاہتا ہے۔ پس دراصل انسان کے اس "خادم" اس منہ زور حیوان کے پاس یہی تین ہتھیار وہ سب سے بڑے ہتھیار ہیں جن کی طاقت سے وہ اس کا خادم بننے کے بجائے خود اس کو اپنا خادم بنانے کی کوشش کرتا ہے اور ہمیشہ زور لگاتا رہتا ہے کہ اس کے اور انسان کے تعلق کی نوعیت صحیح فطری نوعیت کے برعکس ہو جائے، یعنی بجائے اس کے کہ انسان اس پر سوار ہو، اُلٹا وہ انسان پر سوار ہو کر اسے اپنی خواہشات کے مطابق کھینچے کھینچے پھرے۔ اگر انسان پوری قوت سے اس پر اپنا اقتدار مسلط نہ کرے اور تمیز و ارادہ کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دے تو بالآخر وہ اس پر غالب آجاتا ہے۔ پھر وہ اپنے خدمتگار کا غلام اور اس کا خدمتگار اس کا آقا ہوتا ہے۔ علم اسماء کی جو نعمت اللہ نے اس کو دی ہے، فکر و استدلال اور تسخیر و ایجاد کی جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



قابلیتیں اسے عطا کی ہیں وہ سب کی سب اس اندھے جاہل، نادان جانور کی خدمت میں لگ جاتی ہیں۔ بلندیوں پر اڑنے کے بجائے پستیوں میں اترنے کے کام آتی ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے انسانی مقاصد کی جگہ ذلیل حیوانی مقاصد حاصل کرنے کا آلہ بن جاتی ہیں۔ ان کا کوئی مصرف اس کے سوا باقی نہیں رہتا کہ رات دن بس اسی حیوان کی خواہشات پوری کرنے کے لیے نئے نئے وسائل تلاش کرتی رہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ حیوان شر الدواب ——— تمام حیوانات سے بدتر قسم کا حیوان ——— بن کر رہ جاتا ہے۔ بھلا جس حیوان کو اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے انسان جیسا خادم مل جائے اس کے شر کی بھی کوئی حد ہو سکتی ہے! جس بیل کی بھوک کو بحری بیڑا بنانے کی قابلیت میسر آجائے زمین کی کس چراگاہ میں اتنا بل بوتا ہے کہ اس کے معاشی مفاد کی لپیٹ میں آنے سے بچ جائے؟ جس کتے کی حرص کو ٹینک اور ہوائی جہاز بنانے کی قوت مل جائے کس بوٹی اور کس ہڈی کا یارا ہے کہ اس کی کچلیوں کی گرفت میں آنے سے انکار کر دے؟ جس بھیڑیے کو اپنے جنگل کے بھیڑیوں کی قومیت بنانے کا سلیقہ ہو اور جو پریس اور پروپیگنڈا سے لے کر لمبی مار کی توپوں تک سے کام لے سکتا ہو زمین میں کہاں اتنی گنجائش ہے کہ اس کے لیے کافی LEBENSRAUM فراہم کر سکے؟ جس بکرے کی شہوت ناول، ڈراما، تصویر، موسیقی، رقص، ایکٹنگ اور حسن افزائی کے وسائل ایجاد کر سکتی ہو، جس میں بکریوں کی تربیت کے لیے کالج، کلب، فلمستان تک پیدا کرنے کی لیاقت ہو، اس کی داد عیش کے لیے کون حد و انتہا مقرر کرنے کا ذمہ لے سکتا ہے؟

ان پستیوں میں گرنے سے انسان کو بچانے کے لیے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ اس کے سامنے انسانی زندگی کا اصلی نصب العین پیش کیا جائے اور اسے انسانی قوتوں کا صحیح مصرف بتایا جائے، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس حیوان کے ساتھ اس کے تعلق کی جو فطری نوعیت ہے اس کو عملاً قائم کیا جائے اور مشق و تمرین کے ذریعہ سے سوار کو اتنا چست کر دیا جائے کہ وہ اپنی سواری پر جم کر بیٹھے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


ارادے کی باگیں مضبوطی کے ساتھ تھامے، اور اس پر اتنا قابو یافتہ ہو کہ اس کی خواہشات کے پیچھے خود نہ چلے بلکہ اپنے ارادے کے مطابق اسے سیدھا سیدھا چلائے۔ اس حیوان کو خدا نے اس لیے ہمارے سپرد کیا ہے کہ ہم اس سے کام لیں اور اس کو اپنی زندگی کے مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ بنائیں اس کا دماغ ہمارے لیے فکر کرنے کا وسیلہ ہے۔ اس کے آلاتِ حواس ہمارے لیے علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں ہمارے لیے سعی و عمل کرنے کے آلات ہیں جتنی چیزیں خدا نے اس دنیا میں ہمارے لیے مسخر کی ہیں ان میں سب سے زیادہ کارآمد چیز یہی حیوانی جسم ہے۔ اس کے اندر جتنی فطری خواہشات ہیں وہ سب اس کی حقیقی ضرورتوں سے تعلق رکھتی ہیں جن کو پورا کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہم پر اس کا حق ہے کہ اسے آرام سے رکھیں، اس کو قوت بخش غذائیں، بقائے نوع کے لیے اس کی طلب کو پورا کریں، اور اسے خواہ مخواہ ضائع نہ کر دیں لیکن بہرحال یہ ہماری اور ہمارے مقصد زندگی کی خدمت کے لیے ہے نہ کہ ہم اس کی اور اس کے مقصد زندگی کی خدمت کے لیے۔ اس کو ہمارے ارادے کے تابع ہونا چاہیے نہ کہ ہمیں اس کی خواہشات کے تابع۔ اس کا یہ مرتبہ نہیں ہے کہ ایک فرمانروا کی طرح اپنی خواہشات ہم سے پوری کرائے بلکہ اس کا صحیح مرتبہ یہ ہے کہ ایک غلام کی طرح ہمارے سامنے اپنی خواہشات پیش کرے اور یہ ہماری تمیز دار و تربیت یافتہ خودی کا کام ہے کہ اس کی جس درخواست کو جب اور جس طرح مناسب سمجھیں پورا کریں یا رد کر دیں۔

روزے کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد انسان کو اُس کے حیوانی جسم پر یہی اقتدار بخشنا ہے۔ جو تین خواہشیں تمام حیوانی خواہشات کا مدار ہیں، جو تین ہتھیار اس حیوان کے پاس ایسے طاقتور ہیں کہ اُن کے زور سے یہ ہمیں اپنا مطیع بنانے کے لیے اُٹھتا ہے، روزہ اُنہی تینوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور اس کے منہ میں مضبوط لگام دے کر اس کی راسیں ہماری اُس خودی کے ہاتھ میں دے دیتا ہے جو خدا پر ایمان لائی ہے اور اُس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کا عزم کر چکی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ اُس وقت اس جانور کی رُلیسپی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ صبح سے شام تک یہ دانہ پانی مانگتا رہتا ہے اور ہم اس کو کچھ نہیں دیتے۔ یہ پانی کی طرف لپکنا چاہتا ہے مگر ہم باگیں کھینچ لیتے ہیں۔ یہ کھانا دیکھ کر اس پر منہ مارنا چاہتا ہے مگر ہم اسے جنبش نہیں کرنے دیتے۔ یہ کہتا ہے اچھا سگرٹ حقہ، پان کسی چیز سے تو مجھے اپنی آگ بجھا لینے دو مگر ہم اس کی ہر درخواست رد کر دیتے ہیں۔ یہ اپنے جوڑے کو دیکھ کر اس کی طرف دوڑتا ہے اور ملاعبت شروع کر دیتا ہے، مگر جہاں تسکین نفس کا سوال بیچ میں آیا اور ہم نے لگام کھینچ لی۔ اس طرح دن بھر اس کی خواہشوں کو ٹھکرانے کے بعد ہم اپنے مالک کے مقرر کیے ہوئے وقت پر اسے چارہ پانی دیتے ہیں۔ اب یہ تھکا ہارا چاہتا ہے کہ ذرا آرام لے مگر عشا کی اذان سنتے ہی ہم کان پکڑ کر اسے سیدھا اُٹھا کھڑا کرتے ہیں اور مسجد کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ دوسرے دنوں میں تو اسے عشا کے وقت تھوڑا ہی قیام کرنا پڑتا تھا۔ رمضان میں معمولی نماز کے علاوہ تراویح کی غیر معمولی رکعتوں کے لیے بھی ہم اسے کھڑا رکھتے ہیں۔ اس رگید سے نکل کر یہ چارہ سہنے کے لیے دوڑتا ہے اور چاہتا ہے کہ بس صبح کی خبر لائے مگر رات کے پچھلے پہر میں جبکہ اس کا رُواں رُواں میٹھی نیند کے نشے میں سرشار ہوتا ہے، ہم ایک چابک ایسا رسید کرتے ہیں کہ سارا نشہ ہرن ہو جاتا ہے پھر ہم کہتے ہیں کہ ہمارے مالک کا حکم دن کے بجائے اس وقت تجھے دانہ پانی دینے کا ہے لہٰذا جو کچھ کھانا چاہتا ہے اب کھا لے۔

یہ مشق ہے جو ہمیں ہر سال تیس دن تک کرائی جاتی ہے تاکہ اپنے اس خادم پر ہمیں پورا اقتدار حاصل ہو جائے۔ اس سے ہم اپنے جسم اور جسمانی قوتوں کے با اختیار حاکم بن جاتے ہیں۔ حیوانی خواہشات کی جابرانہ قہرمانی ختم ہو جاتی ہے۔ ہم میں اتنی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ اپنی جس خواہش کو جس حد پر چاہیں روک دیں، اور اپنی جس قوت سے جس طرح چاہیں کام لے سکیں۔ وہ شخص جسے اپنی خواہشات کا مقابلہ کرنے کی کبھی عادت ہی نہ رہی ہو، جو نفس کے ہر مطالبہ پر بے چون و چرا سر جھکا دینے کا خوگر رہا ہو، اور جس کے لیے حیوانی حیثیت کا ہر داعیہ ایک فرمان واجب الاذعان کا حکم رکھتا ہو، دنیا میں کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑا کام نہیں کر سکتا۔ بڑے درجہ کے کام انجام دینے کے لیے بہرحال آدمی کی خودی میں اتنا بل بوتا ہونا چاہیے کہ وہ نفس کی خواہشات کو اپنے قابو میں رکھ سکے اور ان قوتوں کو جو اللہ نے اس کے نفس و جسم میں ودیعت کی ہیں اپنے ارادے کے مطابق استعمال کر سکے۔ اسی لیے رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ سال کے دوران میں کبھی کبھی نفل روزے بھی رکھنے کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے تاکہ اس اقتدار کی گرفت مضبوط ہوتی رہے۔ لیکن بہت فرق ـــــ اصولی اور جوہری فرق ـــــ ہے اُس اقتدار میں جو اسلامی روزہ انسان کی خودی کو اس کے نفس و جسم پر دیتا ہے، اور اُس اقتدار میں جو غیر اسلامی طرز پر نفس کشی کی مشقوں یا قوت ارادی کو نشو و نما دینے کی ورزشوں سے حاصل کیا جاتا ہے، یا جو فطری طور پر بڑے آدمیوں کو خود بخود حاصل ہوتا ہے۔ یہ دوسری قسم کا اقتدار تو دراصل ایک ایسی جابل، مطلق العنان خودی کا استبداد ہے جو اپنے سے بالاتر کسی حاکم کی مطیع، کسی ضابطہ و قانون کی پابند اور کسی علم صحیح کی متبع نہیں ہے۔ اس کو اپنی جسمانی اور نفسانی قوتوں پر جو فرمانروائی حاصل ہوتی ہے، لازم نہیں، بلکہ ممکن نہیں کہ وہ اسے صحیح مقصد کے لیے اور صحیح طریقہ پر استعمال کرے۔ دنیا میں سنیاس، رہبانیت اور ترک لذات کی بیماریاں اسی نوعیت کے اقتدار سے پیدا ہوئی ہیں۔ اسی اقتدار کی بدولت نفس اور جسم کے جائز حقوق چھینے گئے ہیں۔ اسی اقتدار کی بدولت انسان نے اپنی قابلیتوں کو تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں صرف کرنے کے بجائے تنزل و انحطاط کی کوششوں میں صرف کیا ہے۔ اسی اقتدار کی بدولت دنیا کے بہت سے بڑے آدمیوں نے خدا کے بندوں پر اپنی خدائی مسلط کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی طاقتوں کو حق کے بجائے ظلم کی راہ میں استعمال کیا ہے۔ برعکس اس کے اسلامی روزہ جس خودی کو نفس و جسم پر اقتدار دیتا ہے وہ مطلق العنان خودی نہیں ہے بلکہ خدا اور اس کے قانون کی اطاعت کرنے والی خودی ہے۔ وہ جاہل خودی نہیں ہے، ایسی خودی نہیں ہے جو آپ اپنی رہنما ہو، بلکہ ایسی خودی ہے جو خدا کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت، العلم، کتاب منیر کی رہنمائی میں چلنے والی ہے۔ وہ خدا کے دیے ہوئے نفس و جسم کو اپنی ملکیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں سمجھتی کہ اس پر قابو پاکر اپنی صواب دید کے مطابق جس طرح چاہے حکمرانی کرے، بلکہ وہ اسے خدا کی امانت سمجھتی ہے اور اس امانت پر خدا کے منشاء کے مطابق حکومت کرتی ہے۔ ایک مومن و متقی انسان جس کی خودی اللہ تعالیٰ کی رضا کے آگے سپر ڈال چکی ہو، دنیا کی کسی چیز پر بھی ظلم نہیں کر سکتا، کجا کہ خود اپنے جسم حیوانی کا حق مارے اور اپنے اس رفیق پر ظلم کرے جس کو اللہ نے مدۃ العمر کے لیے اس کا بہترین مددگار بنایا ہے۔ وہ اس کو اچھے سے اچھا کھلائے گا، اچھے سے اچھا پہنائے گا، بہتر سے بہتر مکان میں رکھے گا، زیادہ سے زیادہ آرام دے گا، اس کے ہر فطری جذبہ کی تسکین کا سامان فراہم کرے گا، نہ اس لیے کہ اس کا نفس یہ چاہتا ہے کہ ایسا کیا جائے، بلکہ اس لیے کہ خدا نے اس کا حق مقرر کیا ہے اور اس حق کو ادا کرنا خدا کی خوشنودی کا موجب ہے[1]۔ البتہ وہی نفس جب اچھا کھانے کے لیے حرام غذا یا حرام کی کمائی کا تقاضا کرے گا، جب اچھے لباس، اچھی سواری، اچھے مکان کے لیے ایسی تدبیریں اختیار کرنے کا مطالبہ کرے گا جنہیں اللہ نے پسند نہیں کیا ہے، جب وہ اپنے جذبات شہوانی کی تسکین کے لیے ایسے دروازے کھولنا چاہے گا جنہیں اللہ نے بند کیا ہے، جب وہ اپنی آرام طلبی کے لیے ان فریضوں اور ان خدمتوں کو ادا کرنے سے جی چرائے گا جو اللہ نے اس پر عائد کیے ہیں، اور جب وہ اس جگہ اپنی خواہشات اور خود اپنی قربانی دینے سے رکنا چاہے گا جہاں اللہ کی رضا ہے کہ اسے اور اس کی خواہشوں کو قربان کر دیا جائے، وہاں مومن کی خودی اپنے حاکمانہ اختیارات کو پوری شدت کے ساتھ استعمال کرے گی اور بجبر اس کو سرکشی و نافرمانی کے راستہ سے ہٹا کر فرمانبرداری کے سیدھے راستہ پر لے جائے گی۔ اسی چیز کی مشق مومن

[1] اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے اپنے نفس پر صدقہ کرو، پھر اپنے اہل و عیال پر، پھر دوسرے لوگوں پر۔ اپنے نفس پر صدقہ کرنا، یا اپنے اہل و عیال پر صدقہ کرنا ایک عجیب سا تخیل معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اسلام کا انداز فکر کچھ ہے ہی دنیا سے نرالا۔ یہاں جو شخص اپنی خواہش نفس سے کھاتا ہے وہ تو بس کھا لیتا ہے مگر جو خدا کی طرف سے مقرر کیا ہوا حق سمجھ کر اپنی حلال کی کمائی سے اپنے جسم کو غذا دیتا ہے اور اپنے بیوی بچوں کو کھلاتا ہے وہ دراصل ایک ثواب کا کام کرتا ہے، ایک ایک لقمہ پر وہ اللہ کے ہاں اجر کا مستحق ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے رمضان میں کرائی جاتی ہے تاکہ دنیا کی اس امتحان گاہ میں نازک مواقع جب پیش آئیں اور وہ روز ہر وقت پیش آتے ہیں ـــــ تو اس کے ارادے کی باگیں اس منہ زور حیوان کو قابو میں رکھنے سے عاجز نہ رہ جائیں۔

**انفرادی تربیت کا اجمالی نقشہ** یہاں تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق افراد کی تربیت سے تھا۔ اب روزے کے اجتماعی پہلو کی طرف توجہ کرنے سے پہلے ایک مجموعی نظر انفرادی تربیت کے اس پروگرام پر ڈال لیجیے۔

جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں، اسلام کا اصل مقصد صالحین کی ایسی جماعت بنانا ہے جو انسانی تمدن کو خیر و صلاح کی بنیادوں پر تعمیر کرے، اگر اس غرض کے لیے وہ صرف اجتماعی اصول وضع کرنے اور ان اصولوں کی بنیاد پر ایک نظام تمدن بنا دینے پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ ساتھ ساتھ اپنے جماعتی نظام کے لیے افراد کو تیار کرنے کا بھی انتظام کرتا ہے تاکہ جماعت (سوسائٹی) جن افراد پر مشتمل ہو ان میں کا ایک ایک شخص اپنے خیالات، اپنی سیرت، اور اپنے کردار کے لحاظ سے اس نظام کے ساتھ بیش از بیش موافقت رکھتا ہو، اور باغیانہ میلانات کے ساتھ مجبورانہ اطاعت کرنے کے بجائے اپنے نفس و روح کی پوری آمادگی، اپنے دل و دماغ کے مخلصانہ عقیدے، اور اپنی سیرت کی ذاتی قوت کے ساتھ اس کی پیروی کرے۔ اس اسکیم میں روزے کے رکن سے جو کام لیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ:-

۱- اس تربیت کے ذریعہ سے جماعت کے ہر فرد کو خداوند عالم کی حاکمیت کے مقابلہ میں اپنی خود مختاری سے عملاً دست بردار ہو جانے کے لیے تیار کیا جائے تاآنکہ وہ اپنی پوری زندگی کو الٰہی قانون کے تابع کر دے۔

۲- ہر فرد کے ذہن میں خدا کے عالم الغیب والشہادۃ ہونے کا اور آخرت کی باز پرس کا عقیدہ عملی مشق و تمرین کے ذریعہ سے اس طرح جاگزیں کر دیا جائے کہ وہ خود اپنی شخصی ذمہ داری کے احساس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بنا پر، نہ کہ کسی خارجی دباؤ کی وجہ سے، قانون الٰہی کی خفیہ اور علانیہ اطاعت کرنے لگے۔

۳- ہر فرد کے اندر یہ روح پھونک دی جائے کہ وہ ماسوی اللہ کی بندگی و اطاعت سے اعتقاداً و عملاً منکر ہو جائے اور اس کی بندگی اللہ کے لیے اس طرح خالص ہو جائے کہ جس حکم یا جس قانون یا جس اقتدار کے لیے اللہ کی طرف سے کوئی سند نہ ہو، اُس کی اطاعت کے لیے فردِ مومن کے نفس میں کوئی آمادگی بھی نہ ہو۔

۴- ہر فرد کے ذہن کی ایسی تربیت کی جائے کہ دنیا کی زندگی میں اس کا نقطۂ نظر کلیتہً تبدیل ہو جائے۔ وہ مادّہ پرست، ابن الوقت، بندۂ مصلحت، اور دنیوی منافع کا غلام نہ ہو بلکہ اس کی نگاہ میں اصلی قدر و قیمت اخلاقی و روحانی منافع کی ہو، وہ ہر حال میں خداوند عالم کے مقرر کیے ہوئے اصولِ حیات کی پابندی کرے، اور دنیا کے عارضی فوائد یا نقصانات سے بے پروا ہو کر اُس راستی پر قائم رہے جس میں خدا کی رضا ہے۔

۵- ہر فرد کی اخلاقی تربیت اس طور پر کی جائے کہ اسے اپنی خواہشات پر عملاً پورا اقتدار حاصل ہو، وہ اپنے نفس و جسم کی تمام قوتوں پر اتنا قابو رکھتا ہو کہ اپنے عقیدے اور علم و بصیرت کے مطابق ان سے کام لے سکے، اس میں صبر، تحمل، جفاکشی، توکل علی اللہ، اور ثابت قدمی و یکسوئی کی صفات پیدا ہو جائیں، اور اس کے کیرکٹر میں اتنی قوت آجائے کہ وہ خارجی ترغیبات اور اپنے نفس کے ناجائز میلانات کا مقابلہ کر سکے۔

یہی وہ مقاصد ہیں جن کے لیے اسلام نے رمضان کے روزے ہر اُس شخص پر فرض کیے ہیں جو اسلامی جماعت کا رکن ہو۔ کوئی عاقل و بالغ فرد، خواہ وہ عورت ہو یا مرد، اس فریضہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ بیماری، سفر اور بعض دوسرے شرعی عذرات کی بنا پر کوئی شخص اس فرض کو ادا نہ کر سکتا ہو تو اُس پر قضا یا فدیہ لازم ہے۔ بہرحال اسلام کے دائرے میں رہ کر کوئی انسان روزے کی فرضیت سے چھوٹتا نہیں ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگرچہ یہ لازم نہیں کہ روزے کی تربیت سے تمام افراد کے اندر وہ خصوصیات بدرجۂ اتم پیدا ہو جائیں جو اس سے پیدا کرنی مطلوب ہیں، کیونکہ ان کی پیدائش اور تکمیل کے لیے خود تربیت لینے والے میں ذاتی استعداد بھی ضروری ہے، لیکن بجائے خود اس نظام تربیت کی فطرت میں یہ خاصہ موجود ہے کہ اس سے یہ خصوصیات انسان میں پیدا ہوں، اور ان خصوصیات کو پیدا کرنے کے لیے اس سے بہتر، بلکہ اس کے سوا کوئی دوسرا نظام تربیت تجویز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کوئی شخص صداقت پسندی کی نظر سے دیکھے تو اسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ دنیا میں اسلام کے سوا کوئی اجتماعی نظام ایسا نہیں ہے جس نے افراد کو تیار کرنے کا اتنا وسیع و ہمہ گیر انتظام کیا ہو کہ پوری کی پوری آبادیاں اس کے دائرے میں آکر خود بخود اخلاقی تربیت پاتی چلی جائیں۔

پھر اس کا مزید کمال یہ ہے کہ سوسائٹی کے حدود میں اگر کوئی فرد ایسا ناقص نکل آئے کہ اس اجتماعی نظام کا جزء بن کر نہ رہ سکتا ہو، تو وہ خود بخود الگ ممتاز ہو جاتا ہے۔ جہاں اس نے بغیر عذر شرعی کے روزہ ترک کیا اور فوراً ہی یہ بات سوسائٹی پر آشکارا ہو گئی کہ اس کے درمیان ایک منافق موجود ہے جو خدا کی حاکمیت تسلیم نہیں کرتا اور اپنی حیوانی جبلت کا بندہ بن کر رہنا چاہتا ہے۔ اس صریح علامت سے سوسائٹی کو اپنے جسم میں ایک سڑے ہوئے عضو کی موجودگی کا بروقت علم ہو جاتا ہے، اور اس کو موقع مل جاتا ہے کہ اپنے آپ کو اس کے زہر سے محفوظ کرلے ——— کم از کم اسلام نے تو اپنی حد تک منافقین کی نشان دہی کا پورا انتظام کر دیا ہے اور ہر مسلم سوسائٹی کے لیے اس بات کا موقع فراہم کر دیا ہے کہ وہ عین وقت پر ان کے وجود سے آگاہ ہو کر یا ان کی اصلاح کرے یا انہیں اپنے دائرے سے خارج کر دے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ کوئی بے حس نام نہاد مسلم سوسائٹی اس موقع سے فائدہ نہ اٹھائے اور ایسے لوگوں کو نہ صرف اپنی گود میں پرورش کرے، بلکہ انہیں اپنے سر پر بٹھائے اور زندہ باد کے نعرے لگائے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


**روزے کا اجتماعی پہلو** نماز کی طرح روزہ بھی بجائے خود ایک انفرادی فعل ہے، لیکن جس طرح نماز کے ساتھ جماعت کی شرط لگا کر اس کو انفرادی سے اجتماعی فعل میں تبدیل کر دیا گیا ہے، اسی طرح روزے کو بھی ایک ذرا سی حکیمانہ تدبیر نے انفرادی عمل کے بجائے اجتماعی عمل بنا کر اس کے فوائد و منافع کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تدبیر بس اتنی سی ہے کہ روزے رکھنے کے لیے ایک خاص مہینہ مقرر کر دیا گیا۔ اگر شارع کے پیشِ نظر محض افراد کی اخلاقی تربیت ہوتی تو اس کے لیے یہ حکم دینا کافی تھا کہ ہر مسلمان سال بھر کے دوران میں کبھی تیس دن کے روزے رکھ لیا کرے۔ اس طرح وہ تمام مقاصد پورے ہو سکتے تھے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، بلکہ ضبطِ نفس کی مشق کے لیے یہ صورت زیادہ مناسب تھی کیونکہ اجتماعی عمل سے روزہ رکھنے میں جو آسانی افراد کے لیے پیدا ہو جاتی ہے وہ انفرادی عمل کی صورت میں نہ ہوتی اور ہر شخص کو اپنا فرض ادا کرنے میں نسبتاً زیادہ شدت کے ساتھ اپنی قوت ارادی استعمال کرنی پڑتی۔ لیکن اسلام کا قانون جس حکیم نے بنایا ہے اس کی نگاہ میں افراد کی ایسی تیاری کسی کام کی نہیں ہے جس کے نتیجہ میں ایک جماعت صالحہ وجود میں نہ آئے، اس لیے اس نے روزے کو محض ایک انفرادی عمل بنانا پسند نہیں کیا بلکہ سال بھر میں ایک مہینہ روزے کے لیے مخصوص کر دیا تاکہ سب مسلمان بیک وقت روزہ رکھیں اور وہی نظام تربیت جس سے افراد تیار ہوں، ایک صالح اجتماعی نظام بنانے میں بھی مددگار ہو جائے۔

اس حکیمانہ تدبیر سے روزے کے اخلاقی و روحانی منافع میں جو اضافہ ہوا ہے اس کی طرف یہاں چند مختصر اشارات کیے جاتے ہیں۔

**تقویٰ کی فضا** اجتماعی عمل کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ اس سے ایک خاص قسم کی نفسیاتی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک شخص انفرادی طور پر کسی خاص ذہنی کیفیت کے تحت کوئی کام کر رہا ہو اور اس کے گرد و پیش دوسرے لوگوں میں نہ وہ ذہنی کیفیت ہو اور نہ وہ اس کام میں اس کے شریک ہوں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو وہ اپنے آپ کو اس ماحول میں بالکل اجنبی پائے گا، اس کی کیفیت ذہنی صرف اسی کی ذات تک محدود اور صرف اسی کی نفسی قوتوں پر منحصر رہے گی، اس کو نشو و نما پانے کے لیے ماحول سے کوئی مدد نہ ملے گی، بلکہ ماحول کے مختلف اثرات اس کیفیت کو بڑھانے کے بجائے اسے گھٹا دیں گے، لیکن اگر وہی کیفیت پورے ماحول پر طاری ہو، اگر تمام لوگ ایک ہی خیال اور ایک ہی ذہنیت کے ماتحت ایک ہی عمل کر رہے ہوں، تو معاملہ برعکس ہو گا۔ اُس وقت ایک ایسی اجتماعی فضا بن جائے گی جس میں پوری جماعت پر وہی ایک کیفیت چھائی ہوئی ہو گی اور ہر فرد کی اندرونی کیفیت ماحول کی خارجی اعانت سے غذا لے کر بے حد و حساب بڑھتی چلی جائے گی۔ ایک شخص اکیلا برہنہ ہو اور گرد و پیش سب لوگ کپڑے پہنے ہوئے ہوں تو وہ کس قدر شرمائے گا، بے حیائی کی کتنی بڑی مقدار اس کو برہنہ ہونے کے لیے درکار ہو گی اور پھر بھی ماحول کے مخالف اثرات سے اس کی شدید بے حیائی بھی کس طرح بار بار شکست کھائے گی، لیکن جہاں ایک حمام میں سب ننگے ہوں وہاں شرم بے چاری کو پھٹکنے کا موقع بھی نہ ملے گا اور ہر شخص کی بے شرمی دوسروں کی بے شرمی سے مدد پا کر افزوں و رافزوں ہوتی چلی جائے گی۔ ایک ایک سپاہی کا الگ الگ جنگ کرنا اور مہالکِ جنگ برداشت کرنا کس قدر مشکل ہے، مگر جہاں فوج کی فوج ایک ساتھ مارچ کر رہی ہو وہاں جذبات شہامت و حماست کا ایک طوفان امڈ آتا ہے جس میں ہر سپاہی مستانہ وار بہتا چلا جاتا ہے۔ نیکی ہو یا بدی، دونوں کی ترقی میں اجتماعی نفسیات کو غیر معمولی دخل حاصل ہے۔ جماعت مل کر بدی کر رہی ہو تو فحش، بے حیائی اور بدکاری کے جذبات ابل پڑتے ہیں، اور جماعت مل کر نیکی کر رہی ہو تو پاکیزہ خیالات اور نیک جذبات کا سیلاب آجاتا ہے جس میں بد بھی نیک بن جاتے ہیں خواہ تھوڑی دیر ہی کے لیے سہی۔

اجتماعی روزے کا مہینہ قرار دے کر رمضان سے شارع نے یہی کام لیا ہے جس طرح آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھتے ہیں کہ ہر غلہ اپنا موسم آنے پر خوب پھلتا پھولتا ہے اور ہر طرف کھیتیوں پر چھایا ہوا نظر آتا ہے، اسی طرح رمضان کا مہینہ گویا خیر و صلاح اور تقویٰ و طہارت کا موسم ہے جس میں برائیاں دبتی ہیں، نیکیاں پھلتی ہیں، پوری پوری آبادیوں پر خوفِ خدا اور حبِّ خیر کی روح چھا جاتی ہے، اور ہر طرف پرہیزگاری کی کھیتی سرسبز نظر آنے لگتی ہے۔ اس زمانہ میں گناہ کرتے ہوئے آدمی کو شرم آتی ہے، ہر شخص خود گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، اور اپنے کسی دوسرے بھائی کو گناہ کرتے دیکھ کر اسے شرم دلاتا ہے۔ ہر ایک کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ کچھ بھلائی کا کام کرے، کسی غریب کو کھانا کھلائے، کسی ننگے کو کپڑا پہنائے، کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے، کہیں کوئی نیک کام ہو رہا ہو تو اس میں حصہ لے، کہیں کوئی بدی ہو رہی ہو تو اسے روکے۔ اس وقت لوگوں کے دل نرم ہو جاتے ہیں، ظلم سے ہاتھ رک جاتے ہیں، برائی سے نفرت اور بھلائی سے رغبت پیدا ہو جاتی ہے، توبہ اور خشیت و انابت کی طرف طبیعتیں مائل ہوتی ہیں، نیک بہت نیک ہو جاتے ہیں، اور بدوں کی بدی اگر نیکی میں تبدیل نہیں ہوتی تب بھی اس جلاب سے اس کا اچھا خاصہ تنقیہ ضرور ہو جاتا ہے۔ غرض اس زبردست حکیمانہ تدبیر سے شارع نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ ہر سال ایک مہینہ کے لیے پوری اسلامی آبادی کی صفائی ہوتی رہے، اس کو اوورہال کیا جاتا ہے، اس کی کایا پلٹی جائے اور اس میں مجموعی حیثیت سے روحِ اسلامی کو از سرِ نو زندہ کر دیا جائے۔ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

| | |
|---|---|
| اذا دخل رمضان فتحت ابواب الجنة وغلقت ابواب جهنم وسلسلت الشياطين ۔ | جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں۔ |

اور ایک دوسری حدیث میں ہے :-

| | |
|---|---|
| اذا كان اول ليلة من شهر رمضان | جب رمضان کی پہلی تاریخ آتی ہے تو شیاطین اور |

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صفدت الشیاطین و مردۃ الجن وغلقت ابواب النار فلم یفتح منہا باب وفتحت ابواب الجنۃ فلم یغلق منہا باب وینادی مناد یا باغی الخیر اقبل ویا باغی الشر اقصر۔

سرکش جن باندھ دیے جاتے ہیں۔ دوزخ کی طرف جانے کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اُن میں سے کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا۔ اور جنت کی طرف جانے کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اُن میں سے کوئی دروازہ بند نہیں رہتا۔ اس وقت پکارنے والا پکارتا ہے اے بھلائی کے طالب آگے بڑھ اور اے بُرائی کے خواہش مند ٹھیر جا۔

سکتہ کے مریض کا آخری امتحان اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس کی ناک کے پاس آئینہ رکھتے ہیں۔ اگر آئینہ پر کچھ دھندلاہٹ سی پیدا ہو تو سمجھتے ہیں کہ ابھی جان باقی ہے، ورنہ اس کی زندگی کی آخری امید بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی کسی بستی کا تمہیں امتحان لینا ہو تو اسے رمضان کے زمانہ میں دیکھو۔ اگر اس مہینہ میں ان کے اندر کچھ تقویٰ، کچھ خوف خدا، کچھ نیکی کے جذبہ کا اُبھار نظر آئے تو سمجھو ابھی زندہ ہیں۔ اور اگر اس مہینہ میں بھی نیکی کا بازار سرد ہو، فسق و فجور کے آثار نمایاں ہوں، اور اسلامی حس مُردہ نظر آئے تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ لو۔ اس کے بعد زندگی کا کوئی سانس مسلمان کے لیے مقدر نہیں ہے[1]۔

[1] یہ تو ہے امتحان کا اسلامی معیار۔ مگر اب اس جانچ کے لیے کچھ دوسرے معیار ایجاد ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کی کوئی آبادی غلام ہو تو اس کا امتحان یوں لیا جاتا ہے کہ قومی مفاد (یعنی قوم کے معاشی و سیاسی مفاد) کے لیے ان میں کتنی تڑپ ہے؟ اس مفاد کی حفاظت کے لیے وہ کہاں تک لڑ کر جیتتے ہیں؟ اور جلسوں میں اسلام اور اسلامی تہذیب اور اسلامی قومیت کا نام کس جوش و خروش سے لیا جاتا ہے! اور اگر وہ آبادی آزاد ہو تو اُس کی زندگی کا امتحان لینے کے لیے یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس نے ہوائی جہاز کتنے مہیا کیے، ریلیں کتنی بنائیں، مدرسے اور کارخانے کس قدر قائم کیے، اپنی عورتوں کو بے حیائی میں کہاں تک طاق کیا، اور تہذیب و تمدن اور معاشرت میں یورپ سے لگا کھانے کی کہاں تک کامیاب کوشش کی۔ ان آزمائشوں میں اگر کوئی آبادی پوری اُتر گئی تو کہا جاتا ہے کہ الحمد للہ اسلام زندہ ہے اور بس "ہونا ہے جادہ پیما اب کارواں ہمارا"!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

**جماعتی احساس** اجتماعی عمل کا دوسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں میں فطری اور اصلی وحدت پیدا ہوتی ہے نسل یا زبان یا مرز بوم یا معاشی اغراض کا اشتراک فطری نوعیت پیدا نہیں کرتا آدمی کا دل صرف اسی سے ملتا ہے جو خیالات اور عمل میں اُس سے ملتا ہو۔ یہ اصلی رشتہ ہے جو دو آدمیوں کو ایک دوسرے سے باندھتا ہے۔ اور جس کے ساتھ خیالات اور عمل میں اتفاق نہ ہو اس سے کبھی دل نہیں ملتا خواہ دونوں ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوں جب کوئی شخص اپنے گردو پیش کے لوگوں کو ذہنیت اور عمل میں اپنے سے مختلف پاتا ہے تو صریح طور پر اپنے آپ کو ان کے درمیان اجنبی محسوس کرتا ہے۔ مگر جب بہت سے لوگ مل کر ایک ہی ذہنی کیفیت کے ساتھ ایک ہی عمل کرتے ہیں تو ان میں باہم یگانگت، رفاقت، یک جہتی اور برادری کے گہرے تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کے درمیان کوئی اجنبیت باقی نہیں رہتی۔ قلب و روح کا اشتراک اور عمل کا اتفاق ان کو آپس میں جوڑ کر ایک کر دیتا ہے۔

خواہ نیکی ہو یا بدی، دونوں صورتوں میں اجتماعی نفسیات اسی طرح کام کرتے ہیں۔ چوروں میں چوری کا اشتراک اور شرابیوں میں مے نوشی کا اشتراک بھی یونہی برادری پیدا کرتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ بدی کے راستہ میں افراد کی نفسانیت کا دخل رہتا ہے جس کا فطری میلان فرد فرد کو پھاڑ کر الگ کر دینے کی طرف ہے، اس لیے ایسے راستوں میں برادری کبھی بے آلائش اور مستحکم نہیں ہوتی۔ بخلاف اس کے نیکی کے راستہ میں نفسانیت دبتی ہے، انسانی روح کو حقیقی تسکین ملتی ہے، اور پاک جذبات کے ساتھ آدمی اس راستہ پر چلتا ہے، اس لیے نیک خیالات اور نیک عمل کا اشتراک وہ بہترین رشتۂ اخوت پیدا کرتا ہے جس سے زیادہ مستحکم اجتماعی رابطہ کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔

نماز باجماعت کی طرح رمضان کے اجتماعی روزے مسلمانوں میں اسی نوع کی برادری پیدا کرتے ہیں۔ تمام لوگوں کا مل کر ایک خدا کی رضا چاہنا، اسی کی رضا کے لیے بھوک پیاس کی تکلیف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُٹھانا، اسی کے خوف سے بُرائیوں کو چھوڑنا اور ایک دوسرے کو بُرائیوں سے روکنا، اسی کی محبت میں بھلائیوں کی طرف دوڑنا اور ایک دوسرے کو بھلائی پر اُکسانا، یہ چیز اُن میں بہترین قسم کی وحدت، صحیح ترین فطری قومیت، پاکیزہ ترین اجتماعی ذہنیت، اور ایسی ہمدردی و رفاقت پیدا کرتی ہے جو ہر کھوٹ سے خالی ہے۔

**امداد باہمی کی روح**

اس اجتماعی عبادت کا تیسرا زبردست کام یہ ہے کہ یہ عارضی طور پر تمام لوگوں کو ایک سطح پر لے آتی ہے۔ اگرچہ امیر امیر ہی رہتا ہے اور غریب، غریب، لیکن روزہ چند گھنٹوں کے لیے امیر پر بھی وہ کیفیت طاری کر دیتا ہے جو اس کے فاقہ کش بھائی پر گذرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کی مصیبت کو حقیقی طور پر محسوس کرتا ہے، اور خدا کی رضا چاہنے کا جذبہ اُسے اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرنے پر اُکساتا ہے۔ بظاہر یہ ایک بڑی چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے، مگر اس کے اخلاقی و تمدنی فوائد بے شمار ہیں۔ جس قوم کے امیروں میں غریبوں کی تکالیف کا احساس اور ان کی عملی ہمدردی کا جذبہ ہو، اور جہاں صرف اداروں ہی کو خیرات نہ دی جاتی ہو بلکہ فرداً فرداً بھی حاجت مندوں کو تلاش کر کے مدد پہنچائی جاتی ہو، وہاں نہ صرف یہ کہ قوم کے کمزور حصے تباہ ہونے سے محفوظ رہتے ہیں، نہ صرف یہ کہ اجتماعی فلاح برقرار رہتی ہے، بلکہ غربت اور امارت میں حسد کے بجائے محبت کا، شکر گذاری اور احسان مندی کا تعلق قائم ہوتا ہے اور وہ طبقاتی جنگ کبھی رونما نہیں ہو سکتی جو اُن قوموں میں برپا ہوتی ہے جن کے مالدار لوگ جانتے ہی نہیں کہ فقر و فاقہ کیا چیز ہوتی ہے، جو قحط کے زمانہ میں تعجب سے پوچھتے ہیں کہ لوگ بھوکے کیوں مر رہے ہیں، انہیں روٹی نہیں ملتی تو یہ کیک کیوں نہیں کھاتے؟

---

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ اسلام کا دوسرا عملی رکن ہے جس کے ذریعہ سے اسلام اپنے افراد کو فرداً فرداً ایک خاص قسم کی اخلاقی تربیت دے کر تیار کرتا ہے اور پھر انہیں جوڑ کر ایک خاص طرز کی جماعت بناتا ہے۔ اسلام کا آخری مقصد جس مدنیت صالحہ اور حکومت الٰہیہ کو وجود میں لانا ہے اس کے اجزائے ترکیبی اسی طرح نماز اور روزے کے ذریعہ سے چھیل بنا کر تیار کیے جاتے ہیں۔ اس کے سپاہی اور جنرل، اُس کے اہل کار، عہدہ دار اور وزراء، اُس کے معلم اور پروفیسر، اُس کے قاضی اور مفتی، اُس کے تاجر، مزدور، کارخانہ دار اور کسان، اُس کے رائے دہندے، نمائندے اور شہری، سب اس تربیت کے بعد کہیں اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے اجتماع سے وہ صالح تمدنی و سیاسی نظام بن سکے جسے "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ محض اَن گھڑ افراد کو لے کر خلافت الٰہیہ قائم کرنے کے لیے دوڑ جانا ایسی خام خیالی و خام کاری ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول بری ہیں۔

ابھی اس انفرادی و اجتماعی تربیت کا پروگرام ختم نہیں ہوا۔ اس کے ساتھ ایک تیسرا عملی رکن زکوٰۃ بھی ہے جسے ہم آگے بیان کریں گے۔

(باقی)

---

# اطلاع

گوجرانوالہ شہر میں ترجمان القرآن کی ایجنسی حسب ذیل پتہ پر قائم کی گئی ہے۔ جہاں سے اس ادارہ کی تمام مطبوعات ہر وقت مل سکتی ہیں۔

"سید لال شاہ صاحب۔ برانچ پوسٹماسٹر۔ نزد اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ"

منیجر رسالہ ترجمان القرآن لاہور

© rasailojaraid.com